Fikr-o-Nasar (Islamabad) 6:3 (1968)

سائنس ـــــ کائنات وکونیات

عبیداللہ فہد سیٹھی

رسالہ" بینات" مارچ ۱۹۶۸ء میں مولانا محمد یوسف بنوری صاحب نے خواجہ شہاب الدین صاحب کے اُس مقالے پر اعتراض کیا ہے جو جشنِ نزولِ قرآن کی بین الاقوامی کانفرنس منعقدہ راولپنڈی میں آپ نے پڑھا مولانا محمد یوسف بنوری ایک مشہور دارالعلوم کے صدر مدرس ہیں۔ اُنھیں ایک خاص طبقہ علماء کی نمائندگی حاصل ہے اور اس اعتراض کے ذریعہ دراصل انھوں نے قدیم مکتبِ فکر کی ترجمانی فرمائی ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کو اچھی طرح واضح کر دیا جائے۔

اس سلسلے میں مولانا محمد یوسف بنوری کی پوری عبارت یہ ہے "خواجہ شہاب الدین صاحب کے مقالہ کی روح یہ تھی: مسلمانوں کی پستی اور تنزل کا سبب سائنس سے ناواقفی ہے۔ اور مغرب و یورپ کی ترقی کا رازِ سربستہ سائنس سے فائدہ اٹھانے میں ہے۔ اور قرآن کریم نے بھی اسی پر زور دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی آیت انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء میں علماء سے مراد وہی علماء ہیں جو ان سائنس کے علوم کو جانتے ہیں۔ اور کائنات و کونیات سے واقف ہیں"۔

مولانا یوسف بنوری لکھتے ہیں "ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی دعوتِ حق کو اسی بات میں منحصر کرنا اسلامی روح کے سراسر منافی ہے۔ قرآن تو سب سے پہلے اصلاحِ نفوس و تزکیۂ قلوب کی دعوت دیتا ہے۔ ایمان و یقین، توحید و رسالت اور مبدا و معاد کا صحیح تصور پیش کرتا ہے۔ ہر ہر عمل میں محاسبۂ آخرت اور جزا و سزا کا یقین دلوں میں اُتارتا ہے۔ عقائد و اعمال اور سیرت و کردار کی اصلاح کے ذریعہ انسانوں کو حیوان کی صف سے نکال کر فرشتہ خصلت انسان بناتا ہے۔ اور اس کے بعد دنیا کے ان وسائل سے صحیح فائدہ اُٹھا کر خلق اللہ کی صحیح خدمت ان کے ذریعہ کرانا چاہتا ہے۔ اس طرح ان دنیوی وسائل کو محض اقتدار اور ظلم و استبداد کا آلۂ کار بننے سے بچاتا ہے"۔

خواجہ صاحب نے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء سے وہ علماء مراد لئے جو علوم سائنس، کائنات کونیات سے واقف ہیں، اور اگر علماء ان علوم سے واقف نہیں ہیں تو یہ مسلمانوں کی پستی اور تنزل کا سبب ہے۔ دوسری بات خواجہ صاحب نے یہ کہی ہے کہ قرآن کریم نے بھی اسی پہ زور دیا ہے۔ لہٰذا اگر قرآن کریم نے بھی اسی پہ زور دیا ہے، اور علمائے حق وہی ہیں جو سائنس کے علوم کو جانتے ہیں اور کائنات و کونیات سے واقف ہیں، تو یہ بات مولانا یوسف بنوری کے خیال میں "اسلامی روح کے سراسر منافی ہے"۔

حالانکہ قرآن شریف کا مطالبہ بھی یہی ہے کہ علماء، آیاتِ الٰہی، سلسلۂ روز و شب اور انقلابِ ایام پر غور کریں۔ آسمان اور زمین کی تخلیق میں تفکر کریں۔ مشاہدات و تجربات سے کام لیں۔ موجودات کی معرفت ان پر فرض ہے۔ اور خدائے تعالیٰ نے انہیں "تاویل" کرنے کا حکم دیا ہے، ان آیات کی تاویل صرف اللہ کو معلوم ہے یا جو راسخین فی العلم ہیں، لا یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم (پارہ ۳ رکوع ۷)۔

اب بدقسمتی سے ان سب اُمور کے بارے میں ہمارے قدیم علماء کا علم آج سے آٹھ سو سال قبل تک محدود ہے۔ وہ کائنات کے تمام علم کو غیروں کا علم سمجھتے ہیں۔ اس لئے اسے سمجھنے اور سننے کے بھی روادار نہیں ہیں۔ عام طور پر دین کے اس تمام علم کو دنیا کا علم کہہ دیتے ہیں۔ اور دنیا کا بھی ان کے نزدیک وہ تصور ہے جو دین سے خارج ہے، اور نصرانی اوہام کی پیداوار ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ "دنیوی وسائل" دین کا لازمی حصہ نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا سبب ہی یہ ہوا کہ علماء نے اپنے منصب کو بھلا دیا۔ اور بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھ رہے۔ اسلام جو ایک ضابطۂ حیات ہے مکمل دین ہے، محض مذہب نہیں، اسے عبادات اور زبانی اعتقادات تک محدود کر دیا۔ قرآن و حدیث کی تعلیم میں فقہ اور یونانی فلسفہ کی ایک ہزار سالہ قدیم تشریح تک کے درس میں خود کو محدود کر دیا، فرائضِ امت اور وظائفِ زندگی سے گوشہ گیر ہو گئے، یہاں تک کہ قرآنی علوم سے بھی کماحقہ واقفیت نہیں رہی۔ احکام و آیاتِ الٰہی اور ایام اللہ سے بے نیاز ہو گئے، اور محض تسبیح و تہلیل کا نام خشیت اللہ رکھ لیا۔

مولانا بنوری صاحب کا خیال ہے کہ "پہلے اصلاحِ نفوس اور تزکیۂ قلوب ہو جائے" جو غالباً عصرِ جدید کے تقاضوں اور موجودہ مشینی دور سے قطعِ نظر کر کے روحانی طور پر حاصل ہو جائے گا، پھر "ایمان و یقین" جو اللہ کی آیات پہ غور کئے بغیر محکم ہو جائے گا۔ "توحید و رسالت" جو کائنات اور کونیات کے بغیر سمجھ میں آ جائے گی۔ مبدا و معاد کا صحیح تصور" جو حقائقِ اشیاء اور تعلیمِ اسماء کے بغیر پیدا ہو جائے گا۔" ہر ہر عمل" اس

اجتماعی زندگی سے واقفیت کے بغیر درست ہو جائے گا۔ سیرت و کردار کی اصلاح" اور اس کی تعمیر کونیات کے بغیر صورت پذیر ہو جائے گی۔ اور خصائل و شمائل کا علم بغیر معرفتِ نفس کے حاصل ہو جائے گا۔ حالانکہ معرفتِ نفس تمام رذائل اور ہوا و ہوس پر عبور حاصل کئے بغیر حاصل نہیں ہوتی، اور ان سب کا انحصار طبعیات اور عناصر کی حقیقت سے واقفیت پر مبنی ہے۔ لیکن مولانا بنوری فرماتے ہیں ــــــ یہ سب کچھ حاصل ہو جائے "اس کے بعد دنیا کے ان وسائل" (یعنی سائنس کے علوم کائنات اور کونیات) سے صحیح فائدہ اٹھا کر قرآن کریم خلق اللہ کی صحیح خدمت ان (سائنس کے علوم، کائنات اور کونیات) کے ذریعہ کرانا چاہتا ہے۔"

مولانا کا تصور کچھ اس قسم کا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دنیا دار لوگ ہوتے ہیں، جو ان دنیوی وسائل کو محض اقتدار اور ظلم و استبداد کا آلۂ کار بناتے ہیں اور قرآن کریم اس سے بچاتا ہے۔ مولانا کا تصور یہ ہے کہ یہ کارخانے، یہ مشینیں، یہ دولت اور یہ تمام سامان غالباً یہی چیزیں سائنس کی تعلیم کا نتیجہ ہیں اور لوگ انہیں وسائل کو اقتدار اور ظلم و استبداد کا آلۂ کار بناتے ہیں۔ حالانکہ ان وسائل کو خلقِ خدا کی خدمت کے لئے استعمال کرنا چاہیئے۔ غالباً وہ سائنس کو ٹیکنالوجی اور میکانکیت تک محدود سمجھتے ہیں۔ اور مشینی عمل ہی ان کے نزدیک سائنس ہے۔ کاش سائنس کے علوم، کائنات، اور کونیات کا مولانا کو صحیح اندازہ ہوتا۔

دراصل سائنس کے معنی ہیں (۱) (قدیم) علم (۲) منضبط علم یا منظم علم۔ علم طبعیات۔ کسی مضمون کا مجموعی علم، مہارت۔ چنانچہ ہر علم کی تحقیق اور مہارت کے لئے سائنس کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جیسے پولیٹیکل سائنس (علمِ سیاست)۔ ملٹری سائنس (علمِ فوج)۔ سائنس آف ایتھکس۔ (علمِ اخلاق) وغیرہ۔ [1]

اس مقام پر میں صرف علم کی تعریف "مفرداتِ القرآن" سے پیش کرتا ہوں۔ امام راغب اصفہانی صاحب "مفرداتِ القرآن" میں علم کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔ "العلم۔ کسی چیز کی حقیقت کا ادراک کرنا ہے اور یہ دو قسم پر ہے۔ اول یہ کہ کسی چیز کی ذات کا ادراک کر لینا۔ دوم ایک چیز پر کسی صفت کے ساتھ حکم لگانا، جو فی الواقع اس کے لئے ثابت ہو یا ایک چیز کی دوسری چیز سے نفی کرنا جو فی الواقع اس سے منفی ہو۔ .... لا عِلمَ لَنا۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں (۵۔ ۱۹) سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے ہوش و حواس قائم نہیں رہیں گے۔" (یعنی علم کے لئے ہوش و حواس لازمی ہیں)۔ ایک دوسری حیثیت سے علم کی دو قسمیں ہیں (۱) نظری

---

[1] ڈکشنری عبدالحق، سائنس۔

(۲) عملی۔ نظری وہ ہے جو حاصل ہونے کے ساتھ ہی مکمل ہو جائے جیسے وہ علم جس کا تعلق موجوداتِ عالم سے ہے، اور علم عملی وہ ہے جو عمل کے بغیر تکمیل نہ پائے، جیسے عبادات کا علم۔ ایک اور حیثیت سے علم کی دو قسمیں ہیں، عقلی اور سمعی .... علّمَ بالقلم۔ قلم کے ذریعہ اللہ نے لکھنا سکھایا (۹۶-۴)۔ علّم القرآن۔ قرآن کی تعلیم فرمائی (۵۵-۲۰۱)۔ علمنا منطق الطیر۔ ہمیں خدا کی طرف سے جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے۔ (۲۷-۱۶)۔ وعلم الآدم الاسماء کلھا۔ اور اس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے، (۲-۳۱)۔ اس آیت میں آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم دینے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کے اندر بولنے کی صلاحیت اور استعداد رکھ دی جس کے ذریعہ اس نے ہر چیز کے لئے ایک نام وضع کیا۔ .... ومن ایٰتہ الجوار فی البحر کالاعلام، اور اس کی نشانیوں میں سے سمندر کے جہاز ہیں جو گویا پہاڑ ہیں، (۴۲-۳۲)۔"

آپ "مفردات القرآن" میں علم کی تعریف میں جس قدر آگے بڑھتے جائیں گے معلوم ہوتا جائے گا کہ سائنس کے علوم کی قرآن میں کیا اہمیت ہے۔

اس کے بعد "علم" ہی کے تحت "مفرداتِ القرآن" میں ہے "العالم۔ فلک الافلاک، اور جن جواہر و اعراض پر وہ حاوی ہے، سب کو العالم کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ فاعَلٌ کے وزن پر ہے جو اسم آلہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح عَالَمٌ بھی ہے جس کے معنی ہیں مایُعلم بہ۔ یعنی وہ چیز جس کے ذریعہ کسی شئے کا علم حاصل کیا جائے۔ اور کائنات کے ذریعہ بھی چونکہ خدا کا علم حاصل ہوتا ہے، اس لئے جملہ کائنات "العالم" کہلاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ذاتِ باری تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت کے لئے سلسلۂ کائنات پر غور کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: "اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوات والارض۔ "کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت پر غور نہیں کیا۔ (۷-۱۸۵) اور اس کی جمع (العالمون) اس لئے بناتے ہیں کہ کائنات کی ہر نوع اپنی جگہ ایک مستقل عالم کی حیثیت رکھتی ہے۔ مثلاً عالم الانسان، عالم الماء و عالم النار۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دس ہزار سے کچھ اوپر عالم پیدا کئے ہیں۔"

علامہ مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس میں علم کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، "علم بروزن سمع بمعنی شعر ہے۔ یہ اس بارے میں بالکل صریح ہے کہ علم، معرفت اور شعور سب کے ایک ہی معنی ہیں۔"

ہم ذیل میں چند آیات کا اردو ترجمہ درج کرتے ہیں۔ ان کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن شریف علوم سائنس کے حاصل کرنے پر کس قدر انحصار کرتا ہے۔

"اور مردہ زمین بھی ان کے لئے ایک معجزہ ہے کہ ہم اس کو زندہ کر دیتے ہیں اور وہ اس میں سے غلے پیدا کر دیتے ہیں جن کو یہ کھاتے ہیں اور انگوروں کے باغ پیدا کر دیتے ہیں اور اس میں چشمے بہا دیتے ہیں تاکہ یہ ان کے پھلوں میں بھی کھائیں اور اپنے ہاتھوں کی محنت سے بھی، کیا اب بھی شکر نہ ادا کریں گے"۔ (پارہ ۲۳ رکوع ایک)۔

اسی سورت میں مسلسل اللہ نے اپنی معرفت کے لئے وہ تمام آیات اور نشانیاں بیان کی ہیں اور وہ تمام انعامات گنائے ہیں جن کا جاننا اور ان کا حاصل کرنا خدا کی معرفت اور اس کے شکر کا سبب ہے۔ اور انہیں کے حصول سے انسانی فلاح اور ترقی ہوتی ہے۔ ورنہ انسان پستی اور قعرِ مذلت میں چلا جاتا ہے اور جانور سے بدتر ہو جاتا ہے۔ مثلاً انہیں آیات میں ذکر ہے "ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کر دیئے۔ اس کے بھی جو زمین سے اُگتی ہے اور ان کی ذات کے اور ان چیزوں کے بھی جن کو یہ نہیں جانتے ہیں۔ سورج بھی ایک نشانی ہے جو اپنے ایک مقررہ مقام کی طرف چلا جاتا ہے۔ یہ ایک بڑے زبردست صاحبِ علم کا مقرر کر دینا ہے۔ اور چاند بھی ایک نشانی ہے جس کی ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ غرض یہ کشتیاں اور اسی قسم کی دوسری چیزیں سب اللہ کی نشانیاں ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سخت تنبیہہ کی ہے جو کائنات اور کون کا علم حاصل نہیں کرتے اور نئی نئی روز پیش آنے والی نشانیوں کو نہیں جانتے ہیں، بلکہ ان سے اعراض کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے ملاحظہ ہو کیا ارشاد ہے:۔

وما تاتیھم من آیۃ من آیٰت ربھم الا کانوا عنھا معرضین ٥: "اور اُن کے پاس اُن کے پروردگار کی نشانیوں میں سے ایک بھی نشانی نہیں آتی جس سے یہ روگردان نہ ہوتے ہوں"۔ (پارہ ۲۳ رکوع ۲)

آیئے اور اپنے علمائے قدیم ہی کی نظر سے دیکھیئے کہ علوم قرآن کیا ہیں؟۔ درس نظامیہ کی عام درسی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" کی فہرست ملاحظہ فرمایئے۔ اس میں علوم قرآن یہ ہیں، علم خطاب، علمِ تاریخ، علم قصص، علمِ خطابت، علمِ تعبیر، علمِ میراث، علم المواقیت، علم الاشارات، علم الطب، علم الہندسہ، علم الجدل، علم الجبر و المقابلہ، علم النجوم، دست کاریوں کے اُصول، اُن کے آلات اور اشیاءِ خورد و نوش اور منکوحات کے اسماء۔ غرض بقول صاحبِ "اتقان" تمام صنعتوں، حرفتوں اور سائنس کے تمام شعبوں کا مجمل ذکر قرآن میں موجود ہے۔ اور ان کے حصول کی ترغیب اور ان سے استفادہ کا شوق دلایا گیا ہے۔ صاحبِ اتقان اپنی کتاب "قانون التاویل" میں بیان فرماتے ہیں کہ قرآن کے ستر ہزار علوم ہیں۔ ابنِ عربی کہتے ہیں۔ اُمّ العلوم تین ہیں:۔ توحید۔ تذکیر۔ احکام۔

توحید میں مخلوقات کی معرفت اور خالق جل شانہٗ کی معرفت، اس کے اسماء وصفات اور افعال کے ساتھ داخل ہے۔ تذکیر میں وعد، وعید، جنت، دوزخ اور صفائی ظاہر و باطن یہ باتیں شامل ہیں۔ احکام میں تمام شرعی تکلیفیں یعنی ضابطۂ حیات، منافع اور مضرتوں کے علوم امر و نہی شامل ہیں۔" [1]

قرآن بار بار ارشاد فرماتا ہے کہ زمین اور آسمان کے علم کا حاصل کرنا معرفتِ حق کے لئے ضروری ہے۔ ہم بغیر سائنس پڑھے زمین اور آسمان کے علم سے قطعی بے بہرہ رہتے ہیں۔ یہاں چند آیات کا ترجمہ دیا جاتا ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علمِ ہیئت کے جانے بغیر ہم قرآن شریف کا ایک معتدبہ حصہ نہیں جان سکتے۔ دنیا نے اب تک سائنس میں جتنی ترقی کی ہے اس کی طرف قرآن حکیم نے توجہ دلائی ہے۔

سب سے پہلے تو یہ ملاحظہ کیجئے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کو اور ان میں جو کچھ ہے، اُنہیں خدا نے ہمارے قبضۂ اختیار میں دیا ہے اور اُن کی تسخیر کا حکم دیا ہے۔ لیکن ہمارے علماء تسخیرِ کائنات کے علم سے قطعی بے بہرہ ہیں۔ بلکہ وہ اسے "بعد کی چیز" خیال کرتے ہیں۔ دوسری قومیں تسخیرِ کائنات کر رہی ہیں اور ہم ان کے دستِ نگر اور غلام ہیں۔ لیکن ہمارے علماء اس پر غور کرنے تک کے لئے تیار نہیں، بلکہ اسے وہ "اسلام کی روح کے منافی" کرتے ہیں۔

ملاحظہ کیجئے علمِ ہیئت کے سلسلہ میں:۔ وزینا السماء الدنیا بمصابیح وحفظا ذلک تقدیر العزیز العلیم (۲)۔ اس میں صرف دنیا کے آسمان کا ذکر ہے۔ مصابیح کا علم صرف سائنس کے ذریعہ ہوتا ہے، اور یہ قانون اور تقدیر بھی سائنس ہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا۔ تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیہا سراجا۔ (۳) آسمان کے برجوں کے سلسلہ میں مفسرین نے کیا کچھ کوشش نہیں کی۔ رصدگاہیں قائم ہوئیں اور ثوابت وسیّار کا مطالعہ کیا گیا۔ بعض مفسرین نے سراج کے سین اور را کو ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے:۔ وقد نقل المفسرون قراتہا بضم السین والراء ایضا بمعنی المصابیح (۴)۔ اس بنیاد پر یہ جائز ہوگا کہ بہت سے آفتابوں کی طرف اشارہ ہو جسے تمام متاخرینِ ہیئت (یعنی موجودہ مغربی سائنس دان) مانتے ہیں، گویا۔۔۔

---

[1] جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن (اردو) عنوان "قرآن سے مستنبط علوم"۔

[2] سورۃ ۴۱ آیت ۱۱ [3] سورۃ ۲۵ آیت ۶۱

[4] ہبت اللہ الشہرستانی، الہیئت والاسلام، بغداد، ۱۳۲۸ھ، ص ۲۱۱۔

جعل فی السماء شموساً۔

رب العالمین نے نہ جانے کتنے نظامِ شمسی پیدا کئے۔ ہم ایک قندیل کو ایک نظامِ شمسی کہہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قنادیل کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قرآن شریف میں نجوم، کواکب، فاصلے، افلاک، الارضی، حرکات، ادوار، اطوار، سعادت، نحوست، مشارق، محاسبات، نجوم، ان کے روابط، وزن، ثقل، کمیت، کیفیت، اور کونیت سے بحث کی ہے۔ ان کا سقوط، ہبوط اور صعود، ان کی تعداد، رصد، مراقب کا ذکر کیا ہے۔

مسلمانوں نے اپنے دورِ اقبال میں رصد گاہیں بنائیں۔ افلاک و کواکب کا مطالعہ کیا۔ اپنے مشاہدات کو لکھا۔ اور اُن کے لئے ضابطے بنائے۔ ان کے مقامات اور منزلیں متعین کیں۔ علم بصارت، علم الاضواء اور علم مرایا میں ترقی کی۔ نور و ظلمت، ہوا، جو، خلاء، جہات، غرض زمان و مکان کے سمجھنے کی کوشش کی۔ اور اس طرح وہ مجاز سے حقیقت کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ اب یہ ترقی مغرب کے حصہ میں آگئی۔ قرآن کی تعلیم پر اُنھوں نے عمل کیا۔ اَعلَون کا عَلَم ان کے ہاتھوں میں پہنچ گیا اور زوال کے اسباب کی طرف مسلمان مائل رہے۔ اس جمود، رجعتِ قہقری اور لاتعلم کی حالت نے مسلمانوں کو پستی کی طرف دھکیل دیا۔

اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور سات زمینیں پیدا کیں۔ اس وقت ہمارے سامنے صرف ایک آسمان ہے اور ایک نظامِ شمسی، اور اس کا بھی ہم احاطہ نہیں کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ آسمانوں میں معلوم نہیں کتنے اور نظامِ شمسی ہیں۔ یہ سائنس کے ذریعہ بعد میں آنے والوں کو معلوم ہوگا۔ وہ آسمانوں اور زمینوں کی تسخیر کریں گے اور قدرت کے کارخانہ کو سمجھیں گے۔ اب رب العالمین کی دعوتِ غور و فکر کے باوجود، ان پر نظر ڈالنے سے ہمارے علماء منع کرتے ہیں۔ یہ ان کے نزدیک "دنیوی وسائل" ہیں معرفتِ حق سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ انفس و آفاق سے انہوں نے چشم پوشی کر لی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر ایمان و یقین مستحکم ہو جائے گا۔ دوسری قوموں نے وسعتِ عالم میں پرواز کرنا شروع کر دی، اور ہم اس محدود کرۂ ارض پر جس کی حیثیت کائنات کے مقابلہ میں ایک مٹی کے ڈھیلے سے زیادہ نہیں اور اس میں بھی ہم سب سے پیچھے ہیں۔ اس محدود بصیرت پر وہ قناعت کی دعوت دیتے ہیں۔ خواہ دوسری قومیں خزائنِ غیب پر قبضہ کر رہی ہوں اور اقطار السمٰوات میں وڑتی پھرتی ہوں۔ لیکن ہمارے علماء صرف قرآن و حدیث کے درس اور اس کے پڑھنے پڑھانے کو اسلام سمجھتے ہیں۔ اور احکام پر عمل کی کوشش سے اختلاف کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اس پر عمل بغیر سائنس کے علوم کے نہیں ہو سکتا اور سائنس ہمارے علماء کے نزدیک بعد کی چیز ہے۔

میں آخر میں یہ بھی گزارش کروں گا کہ قرآن کریم کی آیت " انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء " میں علماء سے مراد بے شک وہی علماء ہیں جو ان سائنس کے علوم کو جانتے ہیں اور کائنات و کونیات سے واقف ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کو نہیں بلکہ اہلِ علم کو ہی غور و فکر کی دعوت دی ہے بلکہ غور و فکر کو واجب کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے " فاعتبروا یا اولی الابصار " ؎۱۔ پھر یہ دعوتِ غور و فکر خالص مشاہدات و تجربات کی دعوت ہے جیسا کہ ارشاد ہے: " اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوات والارض وما خلق اللہ من شئی " ؎۲۔ اور یہی وہ نظر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو نوازا ہے " وکذلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوات والارض " ؎۳۔ تخلیقِ عالم یعنی کائنات اور کونیات کی حقیقت پر غور کرنے کی طرف خاص طور سے متوجہ کیا ہے " ویتفکرون فی خلق السمٰوات والارض " ؎۴۔

اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ شریعت نے موجودات اور اعتبارِ موجودات پر عقل کے ذریعہ غور کرنا واجب کر دیا ہے۔ چونکہ شریعت نے تمام موجودات اور اللہ تعالیٰ کی معرفت عقل کے ذریعہ حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے، اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کی تمام موجودات کی معرفت عقل کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے سائنس کے علوم سے واقف ہو۔ سائنس کے علوم معرفتِ حق کے لئے بمنزلہ آلہ کے ہیں اور آلات کے بغیر مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ ان حقائق کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے، یا وہ علماء جو علم میں راسخ ہیں، " ھو الذی انزل علیک الکتاب، منہ آیات محکمات .... والراسخون فی العلم " ؎۵۔ اس لئے کہ نوعِ انسانی میں یہی بہتر ہیں اور موجودات کی حقیقت کی معرفت حاصل کرنا انھیں پر فرض ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سائنس مغربی علم ہے اور مسلمانوں کے لئے مغربیوں سے اس کا حاصل کرنا کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ اوّل تو یہ کہ ہر اچھی بات مسلمانوں کا گم شدہ مال ہے۔ دوسرے یہ کہ یورپ نے یہ علوم مسلمانوں سے لے کر آج اتنی ترقی کر لی۔ اب مسلمانوں کو ان سے لینے میں کیا عار ہے۔ پھر یہ کہ موجودات پر غور کرنے کے لئے سائنس کے علوم آلات ہیں، جیسے چھری۔ اب اگر چھری غیر مذہب والے نے استعمال کی

؎۱ سورۃ ۵۹، آیت ۲ ؎۲ سورۃ ۷، آیت ۱۸۴ ؎۳ سورۃ ۶، آیت ۷۵
؎۴ سورۃ ۳، آیت ۱۹۱ ؎۵ سورۃ ۳، آیت ۷۔

ہے تو وہ ذبح کے لئے ناپاک تو نہیں ہو گی۔ اسے عیسائی بھی استعمال کر سکتا ہے اور مسلمان بھی۔

آخر میں ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے اور یہی جدید اور قدیم ذہن کا فرق ہے۔ شروع میں مسلمانوں نے اسے محسوس کیا اور وہ دنیا میں ترقی کرتے چلے گئے۔ پھر وہ تصورات کی دنیا میں کھو گئے۔ ان پر جمود طاری ہوا، اور فلسفۂ یونانی اُن پر غالب آگیا۔ علامہ اقبالؒ لکھتے ہیں:۔

"علم کی ابتدا محسوس سے ہوتی ہے۔ کیوں کہ جب تک ہمارا ذہن اسے اپنی گرفت اور قابو میں نہیں لے آتا، فکرِ انسانی میں یہ صلاحیت پیدا نہیں ہوتی کہ اس سے آگے بڑھ سکے۔ [1] قرآن پاک کا ارشاد ہے:۔ یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا لاتنفذون الا بسلطن۔" [2]

ہمارے علماء غیر محسوس سے محسوس کی طرف چلنا چاہتے ہیں اسی لئے وہ تعلیم میں ناکام رہے۔ حالاں کہ فطری چیز یہ ہے کہ محسوس سے غیر محسوس کی طرف سیر کی جائے اور یہی غالباً اس آیت کا مطلب ہے۔ وان الیٰ ربک المنتہٰی۔

---

[1] تشکیل جدید الہیاتِ اسلامیہ ص ۲۰۲ [2] سورہ ۵۵، آیت ۳۳

بقیہ:۔ وحیِ الٰہی اور نبوت

فقروں کی جو تشریحیں یا بعض آیتوں کے جو پسِ منظر عام تفسیروں میں نقل ہوتے چلے آرہے ہیں، اُن سے حقیقت کو سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے۔

کچھ مشکلات کا منشاء قرآن کے بعض خاص اسالیبِ بیاں کا نظر انداز کر دینا ہے۔ کائنات میں موجود، جاری اور ممکن تمام صلاحیتوں اور فعلیتوں کی آخری علت ذات باری تعالیٰ ہے۔ درمیانی اسباب و علل کی ہستی اور اُن کی تاثیریں اور خاصیتیں، باری تعالیٰ کی مشیت اور مصلحت کی کارفرمائیاں ہیں چنانچہ کسی اثر، تاثیر یا حقیقت کی موجودگی کے بیان کا عام قرآنی اسلوب اس کی ہستی کی ذات باری تعالیٰ کی طرف براہ راست نسبت ہے، ہمارے روزمرہ کے اندازِ بیاں کے مطابق اس نسبت کے معنی فطری وجود یا محض موجودگی ہیں۔" [redacted]